

غروب آفتاب

05-18-2017



فہرست

بچوں کی دنیا

۱. بہادر لڑکا

معاشرہ ثقافت

۲. انٹرنیشنل چلڈرن بک ڈے!

۳. جنگل کہانی

۵. جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی اہمیت!

۷. شیر اور گیدڑ کا مقدمہ، بندر کا انصاف

۸. میرے وطن کے پھول ہمیشہ کھلتے رہو

۹. ہائے میرا بچپن!!!!

بہادر لڑکا

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

تو وہ اسے روکیں۔ لیکن قاضی اور بادشاہ نے بھی میرے ساتھ انصاف نہ کیا اب میرا آخری سہارا خدا کی ذات تھی اور میں دیکھ رہا تھا کہ جلاوطنی تلوار لے کر میرے سر پہ پہنچ گیا اور خدا کا انصاف بھی ظاہر نہیں ہو رہا۔ بس یہ بات سوچ کر مجھے ہنسی آگئی۔

لڑکے کی یہ بات سنی تو بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے حکم دیا کہ لڑکے کو چھوڑ دو۔ ہم یہ بات پسند نہیں کرتے کہ ہماری جان بچانے کے لیے ایک بے گناہ کی جان لی جائے۔

لڑکے کو اسی وقت چھوڑ دیا گیا۔ بادشاہ نے بہت محبت سے اسے اپنی گود میں بٹھا کر پیار کیا۔ اور قیمتی تحفے دے کر رخصت کیا۔ کہتے ہیں۔ اسی وقت سے بادشاہ کی بیماری گھٹنی شروع ہو گئی اور چند دن میں ہی وہ بالکل تندرست ہو گیا۔

میں نے دیکھا کہ بر لب دریائے نیل اک فیل ہاں اپنی دھن میں زیر لب کرتا تھا کچھ ایسا بیاں غور کر ہاتھی کے پیروں میں جو ہو گا تیرا حال ہو گی تیرے پاؤں میں بس یونہی مور ناتواں

وضاحت: اس حکایت میں حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے یہ کلتہ بیان کیا ہے۔ کہ جان خواہ بادشاہ کی ہو یا غریب کی، قدر و قیمت میں دونوں برابر ہیں۔ نیز یہ کہ خود غرض بن کر دوسروں کی جانیں پامال کرنے والے دنیاوی لحاظ سے بھی اتنے فائدے میں رہتے جس قدر نفع میں خلق خدا پر رحم کرنے والے رہتے ہیں۔

§§§

بیان کیا جاتا ہے۔ ایک بادشاہ کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو گیا کافی دن علاج کرنے کے باوجود جب اسے آرام نہ آیا تو طبیعوں نے صلاح مشورہ کر کے کہا کہ اس بیماری کا علاج صرف انسان کے پتے سے کیا جاسکتا ہے اور وہ بھی ایسے انسان کے پتے سے جس میں یہ یہ خاص نشانیاں ہوں۔ یہ کہہ کر حکیموں نے وہ نشانیاں بتائیں اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ شاہی پیالے سارے ملک میں پھر کر تلاش کریں اور جس شخص میں یہ نشانیاں ہوں اسے لے آئیں۔ پیالوں نے فوراً تلاش شروع کر دی۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ وہ ساری نشانیاں ایک غریب کسان کے بیٹے میں مل گئیں۔ پیالوں نے کسان کو ساری بات بتائی کہ بادشاہ کے علاج کے لیے تیرے بیٹے کے پتے کی ضرورت ہے۔ اسے ہمارے ساتھ بھیج دے اور اس کے بدلے جتنا چاہے روپیہ لے لے کسان بہت غریب تھا۔ ڈھیر سارا روپیہ ملنے کی بات سن کر وہ اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ سپاہی اس کے بیٹے کو لے جائیں۔ چنانچہ وہ اسے بادشاہ کے پاس لے آئے۔

خاص نشانوں والا لڑکا مل گیا تو اب قاضی سے پوچھا گیا کہ اسے قتل کر کے اس کے جسم سے پتا نکالنا جائز ہو گا یا نہیں! قاضی صاحب نے فتویٰ دے دیا کہ بادشاہ کی جان بچانے کے لیے ایک جان کو قربان کر دینا جائز ہے۔



قاضی کے فتوے کے بعد لڑکے کو جلاوطن کر دیا گیا کہ وہ اسے قتل کر کے اس کا پتا نکال لے لڑکا بالکل بے بس تھا۔ وہ اپنے قتل کی تیاریاں دیکھ رہا تھا اور خاموش تھا۔ زبان سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ لیکن جب جلاوطن تلوار لے کر اس کے سر پر کھڑا ہو گیا تو اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

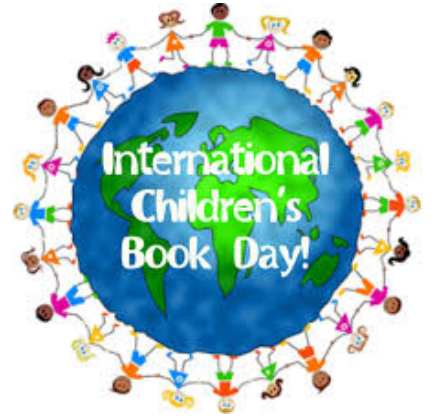
بادشاہ خود اس جگہ موجود تھا۔ اس نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تو بہت حیران ہوا۔ جلاوطن کے ہاتھ میں تنگی تلوار دیکھ کر تو بڑے بڑے بہادر خوف سے کانپنے لگتے ہیں۔ اس نے جلاوطن کو رکنے کا اشارہ کر کے لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا لڑکے۔ یہ تو بتا، اس وقت مسکرانے کا کون سا موقع تھا؟

لڑکے نے فوراً جواب دیا، حضور والا دنیا میں انسان کا سب سے بڑا سہارا اس کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ میرے ماں باپ نے روپے کے لالچ میں مجھے حضور کے سپرد کر دیا۔ ماں باپ کے بعد دوسرا سہارا انصاف کرنے والا قاضی اور بادشاہ ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی ظالم کسی کو ستائے

انٹرنیشنل چلڈرن بک ڈے!

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

مجھے نہیں معلوم کہ بچوں کی کتابوں کے عالمی دن کو ہمارے پاکستان میں دھوم دھام سے کیوں نہیں منایا جاتا، پاکستان میں بچوں کی کتابوں کا عالمی دن ہمیشہ خاموشی سے گزر جاتا ہے۔ ہم نے بہت سے دوستوں کو فون کیا جن کا تعلق سکول سے تھا کہ وہ اس دن بچوں کے لیے کتابوں کا سال لگائیں، لیکن تقریباً سبھی نے اسے فضول سمجھا اور بعض نے تو مذاق تک اڑایا۔ لیکن ایک بات سب میں مشترک تھی اس دن سے لاعلمی۔ ہمارے علم میں آیا اور ہم حیران ہوئے کہ پاکستان میں کبھی یہ دن منایا گیا ہو اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جس قوم نے علم و تحقیق کا دامن چھوڑ دیا، وہ پستی میں گر گئی۔ دوسری طرف ہم بہت سے مغربی دن بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں، جن کی بے شک اسلام میں اجازت بھی نہ، معاشرے میں برا سمجھا جاتا ہو مثلاً ویلنٹائن ڈے پر اس سال بہت خوب لکھا گیا پروگرام کیے گئے۔ مجال ہے جو بچوں کی کتابوں کے حوالے سے ایسے دھواں دار پروگرام ہوتے ہوں۔ ہم ایسے دن منانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں جن سے قوم کا بھلا ہوتا ہو۔

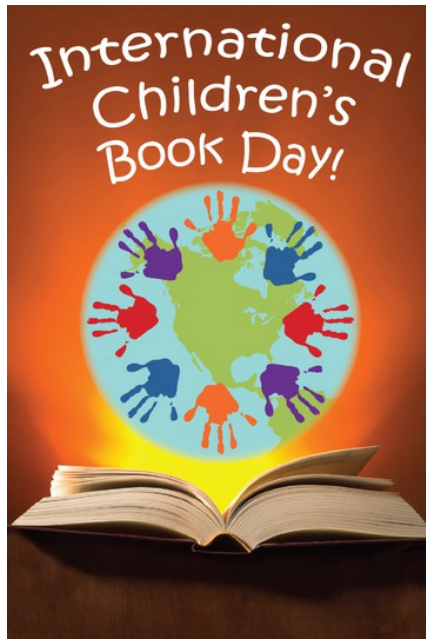


جس سے وہی کلچر پروان چڑھتا ہے۔ بد قسمتی دیکھیں ہم بچوں کے لیے (روشن مستقبل کے لیے) اب تک کوئی اصلاحی چینل شروع نہ کر سکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم اپنے مستقبل کو کتنی اہمیت دے رہے ہیں اور ہمیں اپنے کلچر، ملک، اسلام، زبان سے کتنی محبت ہے۔ اگر ہم اپنے ملک کا موازنہ ہمسایہ ملک سے کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے اتنا بڑا نیٹ ورک، میڈیا کھڑا کر دیا ہے کہ اس کی مثال دینا مشکل ہے۔ اب وہ اپنا کلچر، زبان، مذہب بذریعہ کارٹون، فلمیں ہمارے بچوں کو سکھا رہے ہیں۔

بچوں کی کتابوں کے عالمی دن کو منانے کا مقصد بچوں میں کتب کے مطالعہ کا شوق پیدا کرنا ہے۔ ان کی تعلیم

و تربیت کے لیے کتابوں کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے اگرچہ آج ٹی وی انٹرنیٹ اور موبائل نے بچوں کے ذہنوں پر قبضہ کر لیا ہے، لیکن کتاب کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔

یہ تو ہم جب بچے تھے تب سے سن رہے ہیں کہ بچے قوم کی امانت ہیں، اور ملک کے روشن مستقبل کی ضمانت ہوتے ہیں، لیکن ان بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے یعنی روشن مستقبل کے لیے ہم کیا کر رہے ہیں۔ ہم نے بچوں کے لیے کیا بہت سا کتابوں کا سرمایہ جمع کر لیا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ماضی میں شائع ہونے والی بچوں کی کتابوں کو بھی دوبارہ شائع نہیں کیا۔ دکھ کی بات یہ بھی ہے کہ اب ہمارے بچے ہندی کارٹون، فلمیں وغیرہ دیکھتے ہیں۔



پاکستان میں بہت سے ماہنامہ، پندرہ روزہ، ہفت روزہ رسائل و میگزین بچوں کے لیے شائع ہوتے ہیں اسی طرح تقریباً ہر اخبار بھی ہفتے میں ایک دن بچوں کے لیے ایک صفحہ یا میگزین شائع کرتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کی تعداد اشاعت بھی قابل ذکر ہے۔ اکثر ایسے ہیں جن میں بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ لیکن بچوں کو زیادہ تر فرضی کہانیاں سنائی جاتی ہیں جن میں حقیقت کا عمل دخل بہت کم ہوتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا بچوں کو تاریخ، اسلام، سائنس دانوں کی زندگی وغیرہ پر زیادہ مواد دیا جاتا۔ پاکستان میں بچوں کے لیے لکھی جانے والی کتب کی تعداد دشرم ناک حد تک کم ہے۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ اچھے لکھاریوں کا کم ہونا۔ قاری کم ہیں۔ کتاب شائع کرنے کے لیے سرمایہ کا نہ ہونا۔ بچوں کے ادب کو اہمیت نہ دینا وغیرہ پاکستان میں بچوں کے لیے جو میگزین و رسائل شائع ہو رہے ہیں ان میں سے چند قابل ذکر درج ذیل ہیں۔

موجودہ دور میں بڑھتے نفسیاتی مسائل سے بچنے کے لیے آج

ماہرینِ نفسیات بچوں کے لیے مطالعہ کو لازمی قرار دے رہے ہیں۔ ہمارے بچے زیادہ تر ماحول سے بھرپور گیم دیکھ رہے ہیں یا کارٹون جن سے تشدد کو پسند کرنے لگتے ہیں اس لیے کتابوں کی طرف بچوں کو راغب کیا جانا ضروری ہے، گیم، کارٹون کی موجودگی میں بچوں کو مطالعہ کی طرف راغب کرنا کٹھن کام ہے۔ اس کا حل یہ بھی ہے کہ بچوں کے لیے ایک چینل ہو جس میں بچوں کو سچی کہانیاں، مزاحیہ کارٹون، ہمارے کلچر، زبان، مذہب کی تبلیغ کی جائے۔ اس کے باوجود کتابوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اچھی کتابیں شعور کو جلا بخشنے کے ساتھ ساتھ بچوں کو بہت سے فضول مشغلوں سے بھی بچاتی ہیں۔ بچوں میں مطالعہ کا ذوق و شوق پیدا کرنے میں والدین اور اساتذہ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ہمارے لکھاریوں کو بھی اس بارے میں لکھنا چاہیے۔ جتنے بڑے لکھاری ہیں، ان میں سے اکثر پہلے بچوں کے لیے لکھتے رہے ہیں۔

مثلاً نظیر اکبر آبادی کواردو ادب کا اولین عوامی شاعر کہا جاتا ہے، جنہوں نے بچوں کے ادب پر بہت ساری اہم نظمیں لکھیں۔ ان کے علاوہ مولانا محمد حسین آزاد، امتیاز علی تاج، اسماعیل میرٹھی، حفیظ جالندھری، کرشن چندر، شوکت تھانوی، ڈاکٹر ذاکر حسین، احمد ندیم قاسمی، ڈپٹی نظیر احمد، شبلی نعمانی، حجاب امتیاز علی، علامہ اقبال، حالی، عصمت چغتائی، قتیل شفائی، قصیر تمکین، واجدہ تبسم، جیلانی بانو، انوار صدیقی، ڈاکٹر شکیل الرحمن، علی ناصر زیدی، غلام مصطفیٰ، صوفی تبسم، ماہر القادری، عبدالحمید نظامی، تنویر پھول، ڈاکٹر اسلم فرخی، اشتیاق احمد، نذیر انبالوی، ذکیہ بلگرامی، ناصر زیدی وغیرہ میں نے خود ایک عرصہ تک بچوں کے لیے لکھا ہے۔ اب بھی کبھی کبھار بچوں کے لیے کچھ ناپکھ لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ہم نے اپنے والدین سے، دادا جی سے بچپن میں بہت سی کہانیاں سنیں وہ اب تک یاد ہیں، ہر کہانی کی ابتدا ایک تھا بادشاہ۔ سے ہوتی اور اختتام ان الفاظ پر۔۔ اور پھر سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔ آج بھی یہ الفاظ اپنے اندر محبت لیے میرے کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ میں کہہ رہا تھا کہ عصر حاضر میں بچوں کے ادب پر بہت کم لکھا جا رہا ہے دور حاضر میں کمپیوٹر ٹکنالوجی اور مختلف گیمز نے بچوں کو مشغول کر رکھا ہے ایسے میں والدین کا فرائض ہونا چاہئے کہ اپنی اولاد کو کتابوں سے روشناس کروائیں۔

آج والدین اپنے بچوں کو آئس کریم یا برگر کے لیے تو بخوشی پیسے دے دیتے ہیں لیکن وہ اپنے بچوں کو کتاب خرید کر بطور تحفہ دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اب نئے لکھاریوں میں سے بہت کم ہیں جو بچوں کے لیے لکھتے ہیں۔ دوسری طرف بچوں کے لیے لکھنے والے اب انتہائی بوڑھے ہو گئے ہیں، وہ عمر کے اس حصے میں ہیں کہ اب ان کے لیے بچوں کے لیے لکھنا مشکل نہیں ہے۔ حالانکہ بچوں کے لیے لکھنا مشکل ترین کام ہے، بعض خود کو بڑا لکھاری سمجھنے والے بچوں کے لیے نہیں لکھتے

مطلب مشکل کام نہیں کرتے اور اس لیے بھی کہ بچوں کے لیے لکھنا ان کی نظر میں اہم نہیں ہے۔ جہاں تک بچوں کے ادب کا، کتابوں کا تعلق ہے تو حالت تشویشناک ہے۔

بچوں کی کتابوں کا عالمی دن بہت سے ممالک میں منایا جاتا ہے۔ یہ دن سب سے پہلے IBBY کی طرف سے تجویز کیا گیا۔ اور 2 اپریل کو انٹرنیشنل چلڈرن بک ڈے (ICBD) بچوں کی کتابوں کا عالمی دن غالباً 1967ء کو پہلی مرتبہ منایا گیا۔ اس دن دنیا میں بچوں کی کتابوں کے سال لگائے جاتے ہیں، بچوں کا ادب لکھنے والوں کو سراہا جاتا ہے، ایوارڈ وغیرہ دیئے جاتے ہیں۔ بد قسمتی سے پاکستان میں ایسا کچھ نہیں کیا جاتا۔ اس بارے میں ہماری والدین، اساتذہ، صحافیوں، ایجوکیشن سے گزارش ہے کہ وہ اپنا کردار ادا کریں۔ تاکہ ہم اپنے ملک و قوم کے مستقبل کی بہتر پرورش کر سکیں۔ گذشتہ سالوں کی نسبت پاکستان میں بچوں کے لیے کتب کی اشاعت اور خریداری میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ گزشتہ سال ایک طرف یہ بحث جاری تھی کہ پاکستان میں کتب بنی کا شوق ماند پڑتا جا رہا ہے اور ہر فورم پر اس پر مذاکرے دیکھنے میں آتے تھے وہاں خصوصاً بچوں کے لیے کتب کی اشاعت خوش آئندہ بات ہے۔

پاکستان میں ہونے والے کتب میلوں، کانفرنسوں جیسا کہ اردو کانفرنس، انجمن کانفرنس، کاروان ادب کانفرنس وغیرہ کے انعقاد نے لوگوں کو کتب بنی کی جانب راغب کیا۔ ان کتب میلوں میں لوگ فیملی ممبران کے ساتھ جوق در جوق شرکت کر رہے ہیں، یہ ایک بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ ہے۔ ہمارے اشاعتی اداروں کو اب ایک بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ وہ معیاری کتب کے ساتھ ساتھ سستی کتابوں کو شائع کریں، اگر ایسا نہ ہوا تو ہماری نسل مایوس ہو کر دوبارہ گلوبل ویلج کی چکا چوند میں کہیں گم ہو جائے گی اور اسے ڈھونڈنا مشکل ہو گا۔

§§§



جنگل کہانی

مصنف: علی احمد

پیارے بچوں! ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ افریقہ کے ایک جنگل میں بہت سے جانور آپس میں مل جل کر رہتے تھے۔ اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے۔ گویا جنگل میں منگل تھا۔ شیر بھی بلاوجہ کسی جانور کو نہ مارتا۔ اگر بھوک لگتی تو گھاس کھا لیتا یا کسی کمزور جانور کو کھا لیتا۔ جنگل کے جانور ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک دن نہ جانے کہاں سے اُن کے جنگل میں ایک لومڑی آگئی۔ بچوں آپ تو جانتے ہی ہیں کہ لومڑی کتنی چالاک ہوتی ہے۔ جانوروں نے اُس سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئی ہو تو وہ جھوٹ موٹ کے آنسو بہانے لگی اور بولی میں جس جنگل میں رہتی تھی وہاں میری کوئی عزت نہیں کرتا تھا۔ لہذا میں مجبور ہو کر یہاں آئی ہوں۔ جانور اس کو اپنے بادشاہ شیر کے پاس لے گئے اور ساری بات بتا دی۔

نتیجہ:

بچوں اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ آپ بغیر سوچے سمجھے کسی کی باتوں میں نہ آؤ نہیں تو نقصان اُٹھانا پر سکتا ہے۔



شیر نے کہا دیکھو بھی تم سب جانتے ہو کہ لومڑی چالاک ہوتی ہے لہذا میں تو اس کو یہاں رکھنے کو تیار نہیں باقی تم ساروں کی مرضی۔ جانوروں کو لومڑی پر ترس آگیا اور آخر جانوروں کے کہنے پر شیر نے لومڑی کو جنگل میں رہنے کی اجازت دے دی۔ پہلے پہل تو لومڑی بڑی شریف بن کر رہی اور کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اُس نے اپنے رنگ دکھانے شروع کر دیئے۔ اور جانوروں کو اپنی باتوں میں پھنسانے لگی۔ وہ اُن سے کہتی کہ شیر تمہارے کمزور ساتھیوں کو کھا جاتا ہے اور تم لوگ چپ رہتے ہو اگر ایسا ہی رہا تو ایک دن تم سب مارے جاؤ گے۔ شروع میں تو جانوروں نے لومڑی کی باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ لیکن آخر جانور لومڑی کی باتوں میں آگئے اور انہوں نے شیر کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور سارے شیر کو مارنے پر تُل گئے۔ لیکن وہ کمزور تھے اور خود کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ لومڑی نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا میں ساتھ کے جنگل کے شیر کو جانتی ہوں وہ اُس شیر کو مار دے گا۔ جانور کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر انہوں نے حامی بھر لی۔ اور بی لومڑی ایک دن دوسرے جنگل کے شیر کو لے آئی۔ اس نے آتے ہی متاثرہ جنگل کے جانوروں کے بادشاہ کو خون ریز لڑائی کے بعد مار دیا۔ جس پر جنگل کے جانور بہت خوش ہوئے اور اُس کو اپنا نیا بادشاہ بنا لیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد نئے شیر نے بھی جانوروں پر ظلم شروع کر دیا۔ سب جانور اپنے کئے پر رونے لگے۔ آخر انہوں نے ہمت کی اور ہاتھی سے مدد کی درخواست کی۔ پھر ایک دن ہاتھی اور جنگل کے تمام جانور اکٹھے ہوئے اور شیر کو جنگل سے بھگا دیا۔ اور لومڑی کی بھی خوب خبر لی اور اُس کو بھی جنگل سے نکال دیا۔ جانوروں نے ہاتھی کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی

اہمیت !

مصنف: سفیان خان

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کردہ عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت جنگلات بھی ہیں۔ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے بنائی عالیشان جنتوں میں باغات اور نباتات کا خصوصی ذکر ملتا ہے۔ لمبے اور گتے سائے والے درخت ، ان کے سائے اور ان سے پیدا ہونے پھولوں اور میوؤں کو اللہ نے جنت کی اعلیٰ ترین نعمتوں میں بیان کیا ہے ۔



پاکستان سمیت دنیا بھر میں ہر سال 21 مارچ کو جنگلات کا عالمی دن منایا جاتا ہے، جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی اور زریعہ اہمیت کا تعین کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی اسمبلی میں جنگلات کا عالمی دن منانے کی قرارداد پیش کی گئی اس دن کے منانے کا مقصد جنگلات کو ترقی دینا ۔ جنگلات اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد سے معاشرے میں شعور اجاگر کرنا ہے۔ جنگلات کے کٹاؤ سے ہونے والے نقصان کی آگاہی دینا ۔

گزشتہ چند سال میں جنگلات کا رقبہ ساٹھ فیصد سے کم ہو کر تیس فیصد رہ گیا ہے ۔ جنگلات کی روز بروز کمی کے باعث اوزون کی تہہ باریک ہوتی جارہی ہے اور زمین کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے ۔ اس لئے جنگلات کے تحفظ کے لئے تحریکیں چلائی جارہی ہیں ۔ جنگلات نہ صرف انسانوں بلکہ چرند پرند اور جانوروں کی بقاء کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔ ملک کی متوازن معیشت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے تیس فیصد رقبے پر جنگلات ہوں۔ لیکن سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کے کل رقبے کا صرف لگ بھگ پانچ فیصد جنگلات پر مشتمل ہے ۔ جبکہ غیر سرکاری حلقوں کے مطابق پاکستان کے پاس صرف تین فیصد جنگلات باقی ہیں۔ ان میں سے بھی ہر سال قریباً آٹالیس ہزار ہیکٹر جنگل غائب ہو رہا ہے ۔ اس میں آگ، کیڑے کوڑوں اور نباتاتی بیماریوں کا تصور صرف چھ فیصد ہے ۔ بقیہ 94 فیصد جنگل کی صفائی کے ذمہ دار کمرشل اور نان کمرشل، قانونی

و غیر قانونی انسانی ہاتھ ہیں۔ اگرچہ حکومت اپنے اعداد و شمار کے ذریعے یہ ثابت کرنے پر مصر ہے کہ گزشتہ دس برسوں میں جنگلات پر مبنی کل رقبہ چار اعشاریہ آٹھ سے بڑھ کر پانچ اعشاریہ صفر ایک فیصد ہو گیا ہے ۔

پاکستان میں دیگر مسائل کے علاوہ جنگلات کی کمی بھی ایک مسئلہ ہے ۔ جنگلات کی کمی ہونے کی وجہ سے روز بروز آلودگی میں اضافہ ہو رہا ہے ۔ تو دوسری طرف ٹمبر مافیا بھی اپنا کردار نبھانے میں سرگرم ہیں۔ جنگلات میں کمی کرنے میں ٹمبر مافیا خاطر خواہ کردار ادا کر رہے ہیں۔ جنگلات کی قیمتی لکڑی کو مفت اور چوری کاٹ کر بازاروں میں جا بیچتے ہیں۔ ٹمبر مافیا کی ان حرکات کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے ۔

لہذا اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ٹمبر مافیا کو روکنے کیلئے حکومت سخت قانون بنائے (قانون تو موجود ہیں ان کا نفاذ یقینی بنائے) جنگلات کسی بھی ملک کی معیشت کا لازمی جز ہیں۔ ملک کی متوازن معیشت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے فیصد رقبے پر جنگلات ہوں۔ جنگلات قدرتی وسائل کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ پاکستان میں جنگلات کا کل رقبہ 42,240 کلومیٹر ہے جو کہ 05.31% بنتا ہے پاکستان میں جنگلات کا رقبہ اس لئے بھی کم ہو رہا ہے کہ یہاں پر جنگلات کو بے رحمانہ طریقے سے کاٹا جا رہا ہے ۔ مکانات کی تعمیر کے لئے جنگلات کی زمین کو استعمال کی جا رہا ہے اور پھر ہر سال دریا بھی کٹاؤ کا کام کر رہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جنگلات کے اگانے کے لئے مزید زمین مختص کی جائے اور درختوں کی غیر ضروری کٹائی کو بند کیا جائے ۔



جنگلات ملک کے اہم وسائل میں سے ایک ہیں اور یہ اس ملک کی عمارتی لکڑی اور جڑی بوٹیوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ جنگلات زمین کی زرخیزی قائم رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔ جنگلات درجہ حرارت کو اعتدال پر رکھتے ہیں اور اطراف کے موسم کو خاص طور پر خوشگوار بناتے ہیں۔ جنگلات سے حاصل شدہ جڑی بوٹیاں ادویات میں استعمال ہوتی ہیں۔ جنگلات جنگلی حیات کا ذریعہ اور سبب ہیں۔ بے شمار جنگلی جانور یعنی شیر، چیتا، اور ہرن وغیرہ جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ جنگلات جلائے

جانے والی لکڑی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ جنگلات زمین کے حسن و دلفریبی میں اضافہ کرتے ہیں۔ جنگلات بہت سے وسائل کا ذریعہ اور ماخذ ہیں۔ مثلاً جنگلات سے حاصل کردہ لکڑی فرنیچر، کاغذ، مچس اور کھیلوں کا سامان تیار کرنے میں استعمال ہوتی ہیں۔ جنگلات پہاڑوں پر جی ہوئی برف کو تیزی سے پگھلنے سے روکتے ہیں اور زمین کے کٹاؤ پر بھی قابو رکھتے ہیں۔

جنگلات انسانوں اور قدرتی نباتات کو تیز رفتار آندھیوں اور طوفان کی تباہی اور بربادی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ جنگلات فضاء میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار کو بڑھنے نہیں دیتے کیوں کہ انہیں خود اس گیس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ آکسیجن خارج کرتے ہیں جو انسانی زندگی کے لئے لازمی ہے ۔ بھیڑ، بکری، اونٹ جیسے حیوانات اور سینکڑوں جنگلی جانور اپنی غذا ان ہی جنگلات سے حاصل کرتے ہیں۔ جنگلات تفریحی مقامات کے کام آتے ہیں اور لوگ ان کے خوبصورت ، حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جنگلات مختلف اقسام کے جانوروں اور پرندوں کی افزائش اور نشوونما کا ذریعہ بنتے ہیں انسان آج انہی درختوں کا سب سے بڑا دشمن بن چکا ہے ، جی ہاں، وہی درخت اپنے قاتل اسی انسان کی بے شمار ضروریات پورا کرتے ہیں۔ اگر ان نباتات کو زمین سے خارج کیا جائے و انسانی زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں ۔ یہی درخت جہاں ماحول کو خوبصورت بناتے ہیں، وہیں ہوا کو صاف رکھتے ، آندھی اور طوفانوں کا زور کم کرنے ، آبی کٹاؤ روکنے ، آکسیجن میں اضافے اور آب و ہوا کا توازن برقرار رکھنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی موجودہ دور کا ایک گمبھیر مسئلہ ہے تو درخت ہی اس پیچیدہ مسئلے کا ایک اچھا اور آسان ترین حل ہیں۔



اب ہمارے جنگلات صرف بمشکل تک 4 فیصد رہ گئے ہیں۔ اس کا خوفناک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہمارے ملک میں اب وہ سلسلہ وار بارشیں بہت حد تک ختم ہو کر رہ گئی ہیں، جن پر ہماری زراعت کا سب سے زیادہ انحصار تھا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بھارت نے دریائے راوی کا پانی مکمل بند کر دیا تو علاقہ بھر ہو گیا ۔

حکومت کو بھارتی آبی دہشت گردی کے سدباب کے ساتھ ساتھ پاکستان بھر میں ان مشتے جنگلات کو بچانے کی فوری تدبیر کرنی چاہیے ۔ پاکستانی قانون میں اگرچہ کاغذات کی حد تک جنگلات کے کٹاؤ کے خلاف پابندی بھی عائد ہے ، لیکن اس کی کسی کو پروا نہیں۔ اصل میں جنگلات کے کٹاؤ اور

ان درختوں کے جو نہروں، دریاؤں، سڑکوں کے کنارے لگائے جاتے تھے، وہ افراہی ملوث ہیں، جو ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، پاکستان کے جنگلات اور ملک کے باقی درختوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ وزیر اعظم جناب نواز شریف کے ساتھ چاروں وزرائے اعلیٰ سے عالمی یوم جنگلات کے موقع پر گزارش ہے کہ اس مسئلے کی بھی فوری نوٹس لیں۔ شجرکاری کی زیادہ سے زیادہ مہم چلائیں اس سلسلے میں عوام کو بھی بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔

§§§



”معاف کیجئے گا“ شیر نے بندر کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا ”کیا آپ ہمارے جھگڑے کا منصفانہ فیصلہ کر سکتے ہیں؟“ یہ بات سن کر بندر نے باری باری دونوں کی بات سنی۔ ان کی بات ختم ہونے کے بعد بندر نے چٹان پر ادھر ادھر کچھ دیکھنا شروع کر دیا جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو۔ ”کیا تم کھانے کے لیے کچھ ڈھونڈ رہے ہو؟“ شیر نے دھاڑتے ہوئے کہا ”ہمیں جلدی فیصلہ سناؤ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے اور میں گھر جا کر اپنے بچھڑے کو کھانا چاہتا ہوں“ صبر کرو ابھی میں بہت مصروف ہوں“ بندر نے جواب دیتے ہوئے کہا اور پتھر اٹھا لیا۔ ”مصروف؟“ شیر نے غراتے ہوئے پوچھا ”کیا کر رہے ہو؟“ ”ساز بجا رہا ہوں میں ہمیشہ فیصلہ کرنے سے قبل تھوڑا سا سا زبجا تا ہوں“ ”کیا؟“ شیر نے چلاتے ہوئے کہا ”تم ہمیں بیوقوف بنا رہے ہو، تمہارے ساتھ میں پتھر ہے اور سب جانتے ہیں کہ پتھر سے موسیقی کی آواز نہیں نکل سکتی۔“

یہ بات سن کر بندر نے پتھر کو ایک طرف رکھا اور کہا ”اگر ایک بکری بچھڑے کو پیدا کر سکتی ہے تو پھر پتھر سے بھی موسیقی کی آواز آسکتی ہے اور تم نے سنا؟ کتنی سریلی موسیقی ہے“ ”یہ سن کر شیر ساری بات کو سمجھ گیا اور اس نے غراتے ہوئے کہا ”ہاں یہ آواز تو بہت خوبصورت ہے“ اس کی بات سن کر ارد گرد جمع ہونے والے سارے جانور بندر کی عقل مندی اور جرات کے قائل ہو گئے اور انہوں نے چلاتے ہوئے کہا ”بندر اس جھگڑے کا فیصلہ کر چکا ہے کہ صرف گائے ہی بچھڑے کو جنم دے سکتی ہے اور اس پر گیدڑ کا حق ہے۔“ اب تمام جانوروں نے شیر کو لعن طعن شروع کر دی کہ وہ اپنے دوست کو دھوکا دے رہا تھا۔ یہ ماجرا دیکھ کر شیر نے شرم سے سر جھکا لیا اور واپس جا کر گیدڑ کو گائے کا بچہ واپس کر دیا۔

§§§

کے قریب جا کر کہہ۔ اس کی بات سن کر ایک بوڑھی ہرنی آگے بڑھی اور کہا اپنے ریوڑ کے جھگڑوں کا فیصلہ میں کرتی ہوں، بولو کیا کام ہے؟ ہم ایک مسئلے کو حل کرنا چاہتے ہیں، یہ کہہ کر دونوں نے کہا فی سانی شروع کر دی۔ اب ان کی کہانی سن کر ہرنی سوچ میں پڑ گئی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ بکری بچھڑے کو پیدا نہیں کر سکتی لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ شیر بہت خطرناک جانور ہے۔ اسی لیے اس نے شیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ بات سچ ہے کہ ہماری جوانی میں بکری بچھڑے کو جنم نہیں دے سکتی تھی اور یہ کام صرف گائے ہی کر سکتی تھی تاہم اب زمانہ بدل گیا ہے اور بکری بچھڑے کو جنم دے سکتی ہے اور میرا فیصلہ یہی ہے کہ یہ بچھڑا شیر کا ہے۔“



”کیا.... یہ نہیں ہو سکتا“ ہرنی کا فیصلہ سن کر گیدڑ نے غصے سے کہا۔ ”چلو اب دوسرے منصف کو ڈھونڈتے ہیں۔“ یہ کہہ کر دونوں نے دوسرے جانور کو ڈھونڈنا شروع کر دیا جو ان کو انصاف دلا سکے۔ چلتے چلتے وہ چٹانوں کی طرف پہنچ گئے، جہاں انہیں ایک لگڑ بگڑ نظر آیا اور انہوں نے اسے سا راما جراتنا دیا۔ ان کی بات سن کر لگڑ بگڑ نے شیر کی طرف دیکھا۔ اسے یاد تھا کہ شیر اس کے بہت سارے دوستوں کو کھا چکا ہے، اس لیے اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا: ”سنو معمولی بکری ہی بکری کے بچے پیدا کر سکتی ہے لیکن غیر معمولی نسل کی بکری سب کچھ کر سکتی ہے اور یقیناً شیر کی بکری بہت غیر معمولی ہے اور اسی وجہ سے یہ بچھڑا بھی شیر ہی کا ہے۔“ ”تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟“ گیدڑ نے غراتے ہوئے لگڑ بگڑ کو جواب دیا اور شیر سے کہا ”چلو اب ہمیں تیسرے انصاف کیلئے منصف کو تلاش کرنا ہے۔“ چلتے چلتے وہ ایک چٹان کے قریب پہنچے جہاں ایک بوڑھا بندر لیٹا ہوا تھا۔

شیر اور گیدڑ کا مقدمہ، بندر کا

انصاف

مصنف: علی احمد

بہت عرصے قبل ایک شیر اور گیدڑ میں گہری دوستی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو حیران کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ایک دن شیر نے ایک موٹی تازی بکری کو زندہ پکڑا اور اپنے دوست گیدڑ پر رعب جھاڑنے کے لیے جلدی جلدی اس کی بحث پر آیا لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں کیونکہ گیدڑ اس سے پہلے ہی ایک گائے کو پکڑے بیٹھا تھا۔ ”ایک گیدڑ شیر سے اچھا شکار کیسے کر سکتا تھا؟“ شیر نے غصے میں سوچا اور خاموشی سے بکری کو باہر گائے کے ساتھ باندھ کر سونے کے لیے چلا گیا کیونکہ رات کا فی ہوجی تھی لیکن وہ ساری رات جاگتا رہا کیونکہ اسے حسد ہو رہا تھا کہ آخر گیدڑ نے گائے کو پکڑا کیسے۔ آخر کار اس سے رہا نہیں گیا تو سورج نکلنے سے پہلے ہی باہر نکل کر گائے کے پاس پہنچ گیا لیکن وہاں گائے کے ساتھ ایک بچھڑا بھی کھڑا تھا جسے رات میں ہی گائے نے جنم دیا تھا۔ بچھڑے کو دیکھتے ہی شیر کے ذہن میں ایک خیال آیا اور اس نے خود سے کہا ”میرے دوست کو دونوں کی ضرورت نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر وہ بچھڑے کو بکری کے پاس لے گیا اور اسے اس کا دودھ پلانا شروع کر دیا اور صبح ہوتے ہی وہ چلاتا ہوا گیدڑ کے پاس گیا اور اس سے کہا ”جلدی چلو میرے ساتھ.... میری بکری نے رات میں بچھڑے کو جنم دیا ہے۔“ گیدڑ نے جب جا کر دیکھا تو بچھڑا بکری کا دودھ پی رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا: ”ناممکن“ ایک بکری کے یہاں گائے کا بچہ نہیں ہو سکتا۔ صرف گائے ہی بچھڑے کو پیدا کر سکتی ہے۔ یہ بچھڑا میرا ہے۔“

یہ بات سن کر شیر نے غراتے ہوئے کہا پاگل مت بنو۔ ثبوت تمہارے سامنے ہے۔ یہ دونوں ایک ساتھ کھڑے ہیں اور یہ بچھڑا میرا ہے۔“ ”نہیں میں اس ثبوت کو نہیں مانتا۔“ گیدڑ نے غصے سے جواب دیا اور پھر دونوں آپس میں لڑنے لگ گئے۔ اچانک شیر نے کہا ”ہم دونوں کسی کو منصف بنا کر اس بات کا فیصلہ کروا لیتے ہیں کہ یہ بچھڑا کس کا ہے؟ ٹھیک ہے لیکن میں تین لوگوں سے فیصلہ لوں گا۔ گیدڑ نے جواب دیا۔ شیر اس پر راضی ہو گیا اور وہ دونوں تین عقل مند جانوروں کو تلاش کرنے لگے جو ان کا فیصلہ کر سکیں۔ چلتے چلتے وہ ہرنوں کے ریوڑ کے پاس پہنچے جو درخت کے پتے کھا رہے تھے۔ کیا تمہا رے ریوڑ میں کوئی عقل مند ہے؟“ شیر نے ان

والدین کی محنت کا احساس کرو گے جب آپ انکے خون پسینے کی کمائی کا احترام کرو گے اور جب آپ کسی امتحان میں ٹاپ کرتے ہو تو آپ کے والدین پھولے نہیں ساتے اور انکی خوشی کی انتہا نہیں۔ رہتی پیارے بچوں آپ ہی پاکستان کا مستقبل ہو آپ نے ہی آگے چل کر پاکستان کی باگ ڈور سنبھالنی ہے آپ نے ہی صدر بننا ہے آپ نے ہی وزیر اعظم بننا ہے آپ نے ہی سب کچھ سنبھالنا ہے خدا کیلئے والدین کے اعتماد کو مت توڑا کرو جو تمہاری خوشیوں پر اپنی خوشیاں قربان کر دیتے ہیں مگر تمہیں افسردہ نہیں دیکھ سکتے پیارے بچوں ہمارا وطن بہت دکھ دیکھ چکا اب آپ سب نے ملکر اسکی تعمیر کرنی اور یہ تعمیر قاید کے فرمان کام اور بس کام سے ممکن۔



بے اور تین ہستیوں کو راضی کرنے سے ممکن ہے اور تین ہستیوں کو خوش کرے سے ممکن ہے اور وہ تین ہستیاں ہیں ماں باپ اور استاد پیارے بچوں محنت کرو سوشل میڈیا سے دور رہو جب تک تعلیم مکمل نہیں کر لیتے غلط لوگوں سے دور رہو اور غلط عادات سے دور رہو اور آپکی زندگی کا مقصد صرف اور صرف تعلیم ہونی چاہیے اور جب تعلیم مکمل کر لوں تو آپکے حقوق ختم اب آپ کے فرائض شروع اور والدین کے حقوق کا آغاز اور اب دیکھنا یہ کہ اپنے والدین کا قرض کس طرح اتارتے ہو یہ زندگی ایک پراسس کا نام ہے۔ کبھی حقوق تو کبھی فرائض اور یہ سب تعلیم سے ممکن ہے پیارے بچوں اللہ پاک آپ سب کو اپنی امان میں رکھے اور آپ سب کو زندگی کے ہر میدان میں کامیاب کرے اور والدین کا اساتذہ کا ادب کرنے کی توفیق دے آمین



میرے وطن کے پھولو ہمیشہ کھلتے رہو

مصنف: سفیان خان

بچے من کے سچے ہوتے ہیں بچے کسی بھی گھر کی رونق ہوتے ہیں بچے ماں کے دل کا گلزار اور باپ کے جگر کا گلزار ہوتے ہیں بچے ہی تو کسی بھی ریاست کا مستقبل ہوتے ہیں۔ بچے ہی گھر کی خوشی ہوتے ہیں پیارے بچوں آپ کو کتنے لاڈ و پیار سے پالا جاتا ہے آپ کی ہر خواہش پوری کی جاتی ہے آپ کے دکھ سکھ کا خیال رکھا جاتا ہے اور کس طرح آپ کو صبح آپکی ماں آپ کو تیار کر کے سکول بھیجتی ہے



اور کس آپکا باپ آپکی تمام ضروریات پوری کرنے کیلئے دنیا میں مسایل سے لڑ جاتا ہے ہر ماں اور باپ چاہتا ہے کہ اسکے بچے پوری دنیا سے اوپر ہوں اور آپکے تمام حقوق آپ کو دیے جاتے ہیں اور پاکستان آپکے مفت تعلیم اور صحت کی سہولتیں مہیا کرتا ہے سب کے والدین امیر اور جاگیردار نہیں ہوتے سب کے والدین تاجر اور صنعت کار نہیں ہوتے کسی کا باپ مزدور یوتا ہے تو کسی کا باپ مسزگی کسی کا باپ کا شکار ہوتا ہے تو کسی کا باپ ڈراپور کسی کا باپ سارا دن پھیری کا کام کرتا ہے تو کسی کا باپ درزی اور کسی کی ماں گھروں میں کام کرتی ہے تو کسی کی کام مزدوری پر کپڑے سیتی ہے مگر پیارے بچوں آپکو ہر سہولت میسر ہوتی ہے اور افسوس اس وقت والدین کو لگتا ہے ریاست کو لگتا ہے جب آپ کسی بھی امتحان میں فیل ہو جاتے ہو اور آپکا فیل ہونا والدین کی خوشیوں کا قتل ہو تاہے اور والدین اس وقت ٹوٹ جاتے ہیں جب آپ کسی غلط صحبت میں چلے جاتے ہو اور چرس سگریٹ اور دوسری غلط عادات کو اپنا لیتے ہو اور والدین کے خوابوں کو چکنا چور کر دیتے ہو اور انکی محنت کو برباد کر دیتے ہو اور ان کو جیتے جی مار دیتے ہو جنھوں نے آپ کو ہر سہولت دی اور اپنے انکی محنت پر پانی پھیر دیا پیارے بچوں کامیابی اس وقت ملتی ہے جب آپ اپنے

ہائے میرا بچپن!!!!

مصنف: سفیان خان

بچپن کا حساب کچھ یوں ہے کہ جوں جوں انسان بچپن کی طرف بڑھتا جاتا ہے بچپن زیادہ یاد آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یوں تو ایک خاص دور کے بچوں کا بچپن تقریباً یکساں ہی ہوتا ہے مگر چونکہ ہر فرد منفرد ہے تو ہر ایک کی علیحدہ کہانی ہوگی۔ آج سے تین چار عشرے قبل کے بچے معصوم ہوا کرتے تھے مگر ہم کچھ زیادہ ہی تھے یا پھر شریر بھائیوں کی موجودگی کی وجہ سے بنا دیے گئے تھے۔



ایک واقعہ یاد آ رہا ہے جو کچھ یوں ہے کہ اس وقت ہماری عمر سات آٹھ سال ہوگی۔ جب ایک دن صبح دلاوی جان نے ہمیں چوٹی (آج کے بچوں کو کیا معلوم؟ ان کے لئے عرض ہے کہ چوٹی ایک روپے کا چوٹائی یعنی چار آنے ہوتے تھے۔ آج کے دس روپوں کے ہم پلہ سمجھ لیں) دی کہ سامنے والے کھوکھے سے انڈے لے آؤ۔ ہماری ہانچیں کھل انھیں اور اپنے پچھلے دن کے بارے میں سوچنے لگے کہ دلاوی کی اس خاص مہربانی ہماری کس بات کا انعام ہے! جلدی سے sweet egg کا ڈبہ (یہ ہمارے بچپن کی خاص چیز تھی۔ میٹھی باریک انڈوں کی شکل کی گولیاں جو ایک موبائیل کے سائز کے ڈبے میں ہوتی تھیں۔ اس ڈبے پر چھتری تلے مرغی کی تصویر ہوتی تھی ہلانے پر میٹھے انڈے پھٹتی پر گرتے تو بس..... کیا مصیبت ہے! بچپن کا حال لکھیں تو ہر چیز explain کر کے بتائیں کہ آج وہ چیزیں ہی ناپید ہو گئیں) بھاگ کر لائے اور لان میں بی بیٹھ کر کھانے لگے ایسا نہ ہو کہ برادران میں سے کوئی آپک لے اور خواہ مخواہ بھوارا کرنا پڑے! بڑوں کی دھونس تو چھوٹوں کی ضد دونوں ہی خطرناک تھے اس معاملے میں! ڈبہ ختم کر کے جب اندر آئے تو دلاوی نے ہمارے خالی ہاتھ کو دیکھا اور انڈوں کا پوچھا تو صورت حال واضح ہوئی کہ وہ بیچاری آلیٹ کے لئے پیاز کاٹ کر منتظر تھیں کہ ہمارے آنے پر ناشتے کا انتظام ہو! جی نہیں! ڈانٹ نہ پٹائی کچھ بھی نہ ہوا ہاں مگر اپنا

لطیفہ بنانا اس وقت تو دلچسپ لگ رہا ہے مگر اُس عمر میں تو رو رو کر برا حال ہوتا جب بھی ہنس ہنس کر یہ واقعہ سنا یا جاتا۔ جہاں تک شوق کا معاملہ ہے ہر بچے کی طرح ہمیں بھی کہانیاں سننا بہت پسند تھا۔ دلاوی جان سال کا آدھا حصہ ہمارے گھر اور باقی آدھا بڑے ابا کے گھر حیدر آباد میں گزارتی تھیں۔ بچوں اور بوڑھوں کی دوستی تو ویسے بھی ضرب المثل ہے کیونکہ ان دونوں اقوام کو ہی اصول و قواعد کے کڑے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے ہیں اور جو 'لوگ کیا کہیں گے!' کے بجائے 'جہاں اور جیسا ہے' کی پالیسی پر یقین رکھتی ہیں۔ لہذا ہم بھی اپنی دلاوی جان کا انتظار ان کے جاتے ہی شروع کر دیتے تھے۔ اہم ترین وجہ ان کی کہانیاں ہوتیں جو ہم رات کو ان کے بستر کے گرد بیٹھ کر سنا کرتے تھے۔ چونکہ پڑھنے اور خصوصاً کہانیاں پڑھنے کے بہت شوقین تھے۔ اسلئے موسم اور حالات کی پرواہ کئے بغیر دیواروں پر لکھے اشتہارات تک بڑے غور سے پڑھتے۔ اس چکر میں بعض انہونی نہ ہو سکی کہ کئی دفعہ ہم بازار میں پھرنے سے بچے۔

نیک پر یوں کی کہانیاں بے دریغ پڑھنے سننے کا نتیجہ تھا کہ ہم عام زندگی میں بھی کہانیوں کی ٹینک استعمال کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یعنی یہ دیکھ کر کہ برادران امی کو ستا رہے ہیں۔ کبھی بات نہ مان کر تو کبھی شرارتوں میں! محلے والوں کی شکایتیں سن کر امی بے چاری پریشان ہو رہی ہیں۔ اس معاملے میں ہمارے نہ کوئی اختیارات تھے نہ حقوق! نہ وسائل نہ طاقت! ہاں مگر ایک ہتھیار تھا! قلم کی قوت! کسی پری کی طرف سے اپنے اس بھائی کے نام خط لکھتے جس نے کوئی نامعقول حرکت کی ہو۔ مدعا یہ ہوتا کہ تم نے فلاں فلاں غلط حرکت کی ہے لہذا تمہیں میری طرف سے انعام نہیں ملے گا..... اب آپ خود سوچیں ایک بری سی پیڈ رائٹنگ میں بچکانہ اسٹائل میں کی گئی بات کتنے مزاح کا باعث بنتی ہوگی؟ اس وقت آپ سے یہ شیر کرنا اتنا برا نہیں لگ رہا مگر اس وقت بڑی شرمندگی لگتی تھی حالانکہ یہ تذکرہ ہماری تعریف میں ہی ہوتا تھا۔ بذریعہ قلم اصلاح معاشرہ کے جراثیم ہمارے اندر گویا شروع سے ہی تھے۔ ہاں شعوری طور پر جب اس کا آغاز کیا تو ظاہر ہے اس کی بنیاد کوئی مہر بان، نیک پری نہیں بلکہ رضائے الہی ہوگئی۔

بچپن کا ایک واقعہ جو یاد آتا ہے اس وقت کا ہے جب ہم جماعت سوم میں پڑھتے تھے۔ ہماری آرٹ ٹیچر نے اعلان کیا کہ آئندہ وہ ہمیں وائر کھڑکھائیں گی۔ ہر بچے کی طرح ہمیں بھی ڈرائنگ سے بڑا شغف تھا۔ لہذا گھر پہنچتے ہی امی کو یہ خوش بھری اطلاع دی اور ساتھ ہی وہ فہرست بھی پکڑائی جو مس نے منگوائی تھی۔ پینٹ برش اور رنگ کے علاوہ رنگ گھولنے کے لئے پلاسٹک کے پیالے، اسپرن اور فالٹو کپڑے وغیرہ آج تو اس میں سے کوئی بھی چیز بچنے سے باہر نظر نہیں

آ رہی مگر اس وقت واقعی بہت بڑی چیزیں لگ رہی تھیں۔ ذرا آٹھ سالہ بچے کے ذہن سے سوچیں! اور صورت حال کچھ یوں تھی کہ ہم شہر کے مضافاتی علاقے میں رہتے تھے بارہ میل دور! جہاں آج کل بڑے بڑے شاہنگ سنٹرز، دفاتر اور تعلیمی ادارے ہیں وہاں گھنا جنگل تھا ہوا کر تا تھا سڑک کے دونوں جانب! نزدیک ترین شاہنگ سینٹر صدر ہوا کر تا تھا جہاں صرف اسٹاف بس کے ذریعے جایا جاسکتا تھا جو مقررہ اوقات میں ہی چلا کرتی تھی۔ امی جان پہلی بس سے ہی ہمارا سامان لانے روانہ ہو گئیں۔

اس سامان کو دیکھ کر جو کیفیت ہوئی وہ آج بھی یاد ہے۔ خوشی بھرا اضطراب! جیسے عید کا انتظار ہوتا ہے کپڑے اور جوتے سامنے رکھ کر! جب مطلوبہ پیریڈ شروع ہوا تو کچھ یوں منظر نامہ تھا کہ تقریباً پچیس بچوں اور بچیوں میں سے ہم واحد تھے جو پینٹنگ کا سامان لے کر آئے تھے باقی سب خالی ہاتھ سر جھکائے کھڑے تھے۔ ٹیچر نے پوری کلاس کو نافرمان کا خطاب دیا اور ہمیں اپنی میز پر بلا کر ڈرائنگ سکھانے لگیں۔ جس وقت وہ ہم پر تعریف کے ڈونگے برسا رہی تھیں اسی وقت پر نپل بھی کابیزور سے گزریں۔ ٹیچر نے انہیں بتایا تو وہ بھی ہماری کلاس کو ڈانٹنے لگیں۔ اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت ذرا بھی فخریہ احساس نہیں تھا۔ یوں تو اپنی تعریف ہر ایک کو پسند ہوتی ہے مگر اس طرح نمایاں ہونے میں انسان کتنا تنہا ہوتا ہے!!! کیا خیال ہے؟ شام کو اپنے پڑوسی ہم جماعت کے گھر کھیل رہے تھے۔ اس نے اپنی امی سے شکایت کی کہ مجھے رنگ کیوں نہیں ملتا کہ دینے آپ نے..... اور جناب ہمارے سامنے ہی اسکی بڑی بہن نے اس کے کان بیٹھے یہ کہہ کر ”تم خود کتنے خراب لڑکے ہو! تمہیں کچھ آتا بھی ہے! اس کو دیکھو کتنی اچھی پٹی ہے.....“ یقین کریں میرا دل چاہ رہا تھا میں اپنے رنگ اسے دے دوں! اب اس وقت کے درست جذبات تو ذہن میں نہیں ہیں مگر اب سوچتے ہیں کیا حقیقی تعریف کی حقدار میری امی نہیں تھیں جنہوں نے مجھے مطلوبہ چیزیں اہمیت کے ساتھ مہیا کیں؟؟ آج ہم اس بات کا اظہار کر رہے ہیں مگر اس وقت تو یقیناً امی کا شکریہ ادا نہیں کیا ہو گا!

اس واقعے کا ڈراپ سین یہ ہوا کہ ہمارے چھوٹے بھائی نے جو ابھی اسکول نہیں جاتے تھے ایک دن موقع پا کر تمام رنگ خراب کر دیے۔

اسکول سے واپسی پر جب ہم نے دیکھا تو جو رونا شروع کیا وہ کئی دنوں بعد ہی ختم ہو سکا۔ یہ انسانی فطرت ہے جب کوئی نعمت ملتی ہے تو اپنے آپ کو اس کا حق دار سمجھتا ہے اور جب چھین جائے تو دایلا کرتا ہے۔

بچپن کی یادوں میں ایک اہم واقعے میں مجھ کو کا شکر ہے! یہ کیا بات ہوئی ہے تو انسان کو تکلیف دینے والا شش پایہ ہے جو احسان کا جواب بھی ڈنک مار کر دیتا ہے اس کا شکریہ کیوں؟؟

قصہ کچھ یوں ہے کہ ہم سارے بچے اسکول بس کے ذریعے اپنے اپنے اسکول جایا کرتے تھے۔ یہ رواج تو آج بھی ہے کہ بچے شہر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اس زمانے میں دور دراز جانے کی وجہ اسکولوں کا گھروں سے فاصلے پر ہونا ہوتا تھا اسٹینڈرڈ ہر گز نہیں تھے۔

تو جناب! ہماری ایک بس کی ساتھی نے ایک دن ہمیں بتایا کہ ان کے اسکول میں اردو پاکستانی فلم دکھائی جائے گی۔ اس زمانے کے بچوں اور نوجوان نسل کے لئے سینما جاکر فلم دیکھنا بہت بڑی تفریح ہوا کرتی تھی اسج کی طرح نہیں کہ فلم just a click پر ہو! بہت سے خاندانوں میں یہ شجر ممنوعہ ہوا کرتی تھی۔ شیطان اس وقت بھی اپنے تمام حربوں کے ساتھ میدان میں ہوتا تھا لہذا مختلف تعلیمی اداروں میں اس کو دکھانے کا اہتمام کیا جاتا کہ کوئی محروم نہ رہے۔ ساتھی کی اس خبر پر ہمارا بھی بہت دل لپا یا اور نہ جانے کس طرح امی سے اجازت اور ٹکٹ کے پیسے لئے یہ غیر ضروری بات ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ اس دن ہم اپنی دوست کے اسکول میں فلم دیکھنے جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ جوتا پہنتے ہوئے بری طرح تکلیف ہونے لگی جب ہمارا جوتا اتر وایا گیا تو وہاں بچھو صاحب آرام فرما رہے تھے اور ہمارے انگوٹھے پر ڈنک مار مار کر ہمارا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ آگے آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں! ہمیں فوری طور پر ٹریٹمنٹ دی گئی۔ تکلیف اور فلم نہ دیکھنے کا افسوس ساتھ ساتھ رہے۔ یہ واقعہ پڑھ کر آپ کو یقین آگیا ہوگا کہ ہم نے اس کا شکریہ درست ادا کیا تھا کہ اس نے ہمیں ڈنک مار کر فلم دیکھنے سے بچا کر نہ صرف ہماری معصومیت کو دغا دار ہونے سے بچایا بلکہ سنت کے مطابق چیزوں کو جھاڑ کر استعمال کرنے کی عادت ڈلوائی

میرا خیال ہے کہ بچپن نمبر کے لئے اتنے ہی واقعات بہت ہیں! ہمارا بچپن ہمارے دور کی جھلک ہے! کیسا لگا یہ دور؟؟

